تفسیر ضیاء القرآن میں تعیینِ معنی کا منہج
(تجزیاتی مطالعہ)

محمد شہباز حسن*

قرآن مجید کا نزول چونکہ عربی زبان میں ہوا ہے، اس لیے تمام زمانوں میں مفسرین عربی لغت سے استدلال کرتے رہے ہیں بالخصوص مشکلات القرآن اور نادر الاستعمال الفاظ کی تشریح وتوضیح میں انہوں نے اپنی اپنی تفاسیر میں عربی لغت سے استدلال کیا تاکہ فہم قرآن وتفسیر میں قاری کو کوئی دقت محسوس نہ ہو۔ آیات قرآن کی تشریح وتوضیح میں عربی لغت سے استدلال کا رجحان عہد صحابہ میں ہی شروع ہوگیا تھا۔ شعر جاہلیت سے مختلف الفاظ کے معانی کی تعیین اور ان کا استعمال نہایت قدیم معلوم ہوتا ہے۔

قدیم وجدید تمام مفسرین عربی لغت سے استدلال کرتے رہے ہیں۔ البتہ عربی لغت سے استدلال کے مظاہر کسی کے ہاں کم اور کسی کے ہاں زیادہ۔ لیکن اس سے مستغنی کوئی بھی مفسر نہیں ہوسکا، اور نہ ہی ہوسکتا تھا۔

پیر محمد کرم شاہ الازہری (۱۹۱۸ء ۔۱۹۹۸ء) نے اپنی تفسیر ضیاء القرآن میں بکثرت عربی لغت سے استدلال کیا ہے۔ ضیاء القرآن کی پانچوں جلدوں میں سے ہر ایک جلد کے آخر میں انہوں نے ''تحقیقات لغویہ'' کے عنوان سے ان الفاظ کی فہرست دی ہے جن کی وضاحت کی گئی ہے یا جن سے کسی مسئلے میں استدلال کیا گیا ہے۔ اپنی تفسیر کے مقدمہ میں عربی زبان کی فصاحت و بلاغت اور قواعدِ اشتقاقات کے ذریعے اس کی وسعت کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

> ''اس کتاب مقدس کو صحیح طور پر سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم عربی زبان سے ربط پیدا کریں۔ اس کے قواعد وضوابط سے اچھی طرح واقفیت بہم پہنچائیں، اس کے ادب اور اسلوب انشاء کی خصوصیات کو سمجھیں تاکہ کلمات کے آبگینوں میں حقیقت کی جو شراب طہور چھلک رہی ہے اس سے لطف اندوز ہوسکیں۔''

اس کے بعد پیر صاحب اپنا منہج تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''جہاں کہیں کوئی نحوی یا صرفی الجھن معلوم ہوئی یا لغوی پیچیدگی نظر آئی میں نے کوشش کی ہے کہ ائمہ فن کے مستند اقوال سے اس کا حل پیش کروں تاکہ دل میں کوئی خلش باقی نہ رہے۔''(۱)

* ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ علومِ اسلامیہ یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی، لاہور، پاکستان۔

ارشادالٰہی ہے:

وَ مَکَرُوْا وَ مَکَرَ اللّٰہُ وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمٰکِرِیْنَ (۲)

''انہوں نے خفیہ تدبیر کی اور اللہ نے بھی خفیہ تدبیر کی اور اللہ سب سے بہتر (اور موثر) خفیہ تدبیر کرنے والا ہے۔''

اس آیت کی تفسیر میں ''مکر'' کی وضاحت کرتے ہوئے موصوف لکھتے ہیں:

''اس کا معنی حیلہ سازی بھی ہے اور یہی لفظ عربی میں صرف تدبیر کرنے اور کسی پنہاں سازش کو خفیہ طریقہ سے ناکام بنا دینے کے معنی بھی استعمال کیا جاتا ہے لیکن اردو میں ہم اس لفظ ''مکر'' کو صرف دھوکہ دہی اور فریب کاری کے معنی میں استعمال کرتے ہیں۔ اور جب اس فعل کی نسبت ذات باری کی طرف ہوتی ہے تو ہمارا ذہن بلاوجہ طرح طرح کے شکوک وشبہات کی آماجگاہ بن جاتا ہے حالانکہ جب اس کا فاعل وہ ذات مقدس ہو جو ہر عیب، ہر نقص اور نازیبا فعل سے پاک ہے تو ہم لفظ ''مکر'' کا معنی صرف تدبیر یا وہ خفیہ طریقہ، جس سے دشمنان حق کے شیطانی منصوبوں کو خاک میں ملانا مقصود ہوتا ہے، کریں گے۔ اب کسی قسم کا شک باقی نہیں رہتا۔ قال المفضل و دبروا ودبر الله والمكر لطف التدبير (بحرمحیط)۔'' (۳)

اس کے بعد موصوف لکھتے ہیں:

''اور اگر ان لغوی تحقیقات کے لیے انسان کے پاس وقت نہ ہو تو کم از کم علم بدیع کے قاعدہ مشاکلت کو ہمیشہ پیش نظر رکھے۔ وہ یہ ہے کہ عربی میں کسی برے اور ناپسندیدہ فعل پر جو سزا دی جاتی ہے اسے اسی لفظ سے تعبیر کر دیتے ہیں اگرچہ وہ سزا کتنی مناسب اور قرین انصاف کیوں نہ ہو۔ مثلاً وَجَزٰٓؤُا سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا (الشوریٰ۴۲: ۴۰) یعنی ''برائی کا بدلہ برائی ہے اسی طرح'' حالانکہ برائی کی سزا برائی نہیں ہوتی بلکہ عین انصاف ہوا کرتی ہے یا مثلاً فَمَنِ اعْتَدٰی عَلَیْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَیْهِ (البقرۃ ۲: ۱۹۴) یعنی ''جو تم پر زیادتی کرے تم اس پر زیادتی کر لو'' حالانکہ زیادتی اور تعدی کی روک تھام کرنا زیادتی اور ظلم نہیں بلکہ دین اور اخلاق کے تمام ضابطے اس کے درست ہونے کی تائید کرتے ہیں۔ اسی طرح یہاں بھی حضرت مسیح علیہ السلام کے قتل کرنے کی جو مکارانہ سازش ان یہودیوں نے کر رکھی تھی، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو ناکام بنانے کی جو تدبیر کی گئی اسے مکر سے تعبیر فرما دیا اور اس میں کوئی نقص نہیں۔'' (۴)

اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ اِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسٰۤى اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ (۵) میں توفی کی بحث میں لکھتے ہیں:

''علم معانی کا یہ مسلمہ قاعدہ ہے کہ اگر کسی لفظ کا ایک حقیقی معنی ہو اور دوسرا مجازی تو حقیقی معنی کو مجازی معنی پر ترجیح دی جائے گی۔ ہاں اگر کوئی ایسا قرینہ پایا جائے جس کے ہوتے ہوئے حقیقی معنی متعذر ہو تو اس وقت معنی حقیقی کو ترک کر کے معنی مجازی مراد لیا جائے گا۔ لیکن اگر ایسے قوی قرائن موجود ہوں جو حقیقی معنی مراد لینے کے ہی مؤید ہوں تو اس حالت میں حقیقی معنی کو ترک کر کے مجازی معنی مراد لینے پر اصرار کرنا تو الٹی گنگا بہانے کے مترادف ہے۔ اب آپ لفظ توفی کے معنی پر غور فرمایئے۔ تاج العروس میں لفظ ''وفی'' کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں: وتوفاه ای لم یدع منه شیئا یعنی پورے کا پورا لے لیا اور اس سے کوئی چیز باقی نہیں رہنے دی۔ امام ابی عبداللہ القرطبی الجامع لاحکام القرآن میں لکھتے ہیں: توفیت مالی من فلان ای قبضته یعنی میں نے اس سے سارا مال واپس لے لیا۔ یہ تو ہے لفظ توفی کا حقیقی معنی۔''(۶)

اس کے بعد لکھتے ہیں:

''ہاں یہ موت کے معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے لیکن یہ اس کا مجازی معنی ہے جیسے صاحب تاج العروس نے لکھا ہے: ومن المجاز ادرکته الوفاة ای الموت والمنیة وتوفی فلان اذا مات و توفاه الله عزوجل اذا قبض روحه۔ اب آپ خود فیصلہ فرمالیں کہ ایک لفظ کا حقیقی معنی ترک کر کے بغیر قرینہ کے اس سے مجازی معنی اخذ کرنے پر اصرار کرنا اس لفظ کے ساتھ کتنی بے جا زیادتی ہے۔ اور یہاں صرف اتنا ہی نہیں کہ مجازی معنی لینے کا کوئی قرینہ موجود نہیں بلکہ ایسے قوی قرائن موجود ہیں جو اس لفظ کے حقیقی معنی لیے جانے پر دلالت کرتے ہیں۔''(۷)

اس کے بعد شاہ صاحب نے قرائن پر بات کی ہے، اور بعد ازاں جمہور مفسرین کا موقف ذکر کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

''ایک تو اس آیت کا سیاق وسباق اس امر کا قوی قرینہ ہے۔ یہاں گفتگو نجران کے عیسائیوں سے ہو رہی ہے جو حضرت مسیح کی الوہیت کے قائل تھے۔ مقصدِ کلام ہے اثبات توحید باری اور بطلان الوہیت مسیح۔ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام مر چکے ہوتے تو کتنی صاف بات تھی کہ نجران کے عیسائیوں سے کہہ دیا جاتا کہ جن کو تم خدا مانتے ہو وہ تو مر چکے ہیں۔ اور جو مر جائے کیا وہ بھی کہیں خدا بن سکتا ہے لیکن قرآن کا اس اسلوب کو اختیار نہ کرنا بلکہ اس انداز کو اپنانا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ

قرآن کی اس آیت کا مدعیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت کو بیان کرنا نہیں۔ دوسرا واضح قرینہ حضورعلیہ السلام کا یہ ارشادگرامی ہے: قال الحسن قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم لليهود ان عيسىٰ لم يمت وانه راجع اليكم قبل يوم القيامة ''رسول اللہ ﷺ نے یہود کوفرمایا کہ عیسیٰؑ مرے نہیں اور قیامت سے پہلے وہ تمہاری طرف لوٹ کر آئیں گے۔''

ان تصریحات کی موجودگی میں حقیقی معنی چھوڑ کر مجازی معنی مراد نہیں ہوسکتا۔ اسی لیے جمہور مفسرین اس حقیقی معنی کو مدنظر رکھتے ہوئے لکھتے ہیں:

"متوفيك اى مستوفى اجلك ومؤخرك الى اجلك المسمى عاصما اياك عن قتلهم (بیضاوی) ''اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی مقررہ مدت تک زندہ رکھے گا اور تمہیں قتل سے بچائے گا۔''

متوفيك اى مستوفى اجلك معناه انى عاصمك من ان يقتلك الكفار (کشاف)۔ امام ابن جریر لکھتے ہیں: اولى الاقوال بالصحة عندنا قول من قال معنى ذلك انى قابضك من الارض ورافعك الى لتواتر الاخبار من رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه و ا له وسلم یعنی میرے نزدیک صحیح ترین قول یہ ہے کہ اے عیسیٰ میں تجھے زمین سے قبض کرنے والا ہوں اور اپنی طرف اٹھانے والا ہوں کیونکہ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث متواترہ سے یہی چیز ثابت ہے کہ آپ کو زندہ آسمان پر اٹھایا گیا۔''(۸)

قرآن سے لفظ کے معنی ومفہوم کا تعین

پیر محمد کرم شاہ الازہری مرحوم نے اپنی تفسیر ضیاء القرآن میں بعض مقامات پر قرآنی الفاظ کے معانی اور مفاہیم کو قرآن سے ہی متعین کیا ہے۔ اس موقف کو واضح کرنے کے لیے تفسیر مذکور سے چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ارشاد الٰہی ہے: وَ رُوْحٌ مِّنْهُ(۹) ''اور وہ روح تھی اس کی طرف سے۔''

عیسیٰ علیہ السلام کو روح منه کہہ کر ان کے خصوصی شرف ومقبولیت کا اظہار کیا گیا ہے۔ ورنہ ان الفاظ سے یہ ہرگز ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ آپ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے جز ہیں اگر روح منه کے الفاظ سے جزئیت ثابت کی جائے تو اس میں عیسیٰ کی قطعاً کوئی خصوصیت باقی نہیں رہتی، اس کی کیا وجہ ہے؟ اس سوال کے جواب میں مفسر موصوف قرآن کریم کے اس قسم کے مختلف اسالیب کو مدنظر رکھتے ہوئے لکھتے ہیں:

کیونکہ قرآن میں حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق صاف موجود ہے کہ نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِىْ (الحجر ۱۵ : ۲۹) کہ میں نے اپنی روح آدم میں پھونک دی۔ صرف آدم نہیں بلکہ تمام اولاد

آدم کے متعلق ارشاد ہے: ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ثُمَّ سَوّٰهُ وَ نَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ (السجدۃ ۳۲ : ۸۔۹) یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر بچہ آدم کو مادۂ منویہ سے تخلیق کر کے اور اس کے اعضاء کو درست کر کے اس میں اپنی روح پھونکی۔ صرف آدم و بنی آدم ہی نہیں بلکہ کائنات کی ہر چیز کو اللہ تعالیٰ کا جزو ماننا پڑے گا وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ (الجاثیۃ ۴۵ : ۱۳) اگر من روحه اور منه کے الفاظ سے کسی چیز کی جزئیت ثابت نہیں ہوتی تو پھر اگر وہی لفظ حضرت مسیح کے لیے استعمال ہوں تو ان سے جزئیت کیسے ثابت ہو سکتی ہے۔'' (۱۰)

مسئلہ عصمت انبیاء پر آدم علیہ السلام کے بارے میں استعمال ہونے والے الفاظ فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ (۱۱) سے بظاہر اشکال واقع ہوتا تھا۔ پیر صاحب نے زلۃ کی لغوی تحقیق اور قرآن سے اس کے معنی کی تعیین سے اس اشکال کو طشت از بام کر دیا ہے۔ لکھتے ہیں:

''کوئی فعل گناہ اس وقت ہوتا ہے جب کہ کسی حکم کی نافرمانی کا عزم اور قصد پایا جائے اور اگر عزم اور قصد مفقود ہے بلکہ بے ارادہ بھول چوک سے کوئی ایسا فعل سرزد ہو جائے جو بظاہر کسی حکم کے خلاف ہے تو اسے گناہ نہیں کہتے اور ایسے امور کا صدور عصمت انبیاء کے منافی نہیں۔ اب آپ اسی ایک واقعہ پر غور کریں۔ قرآن حکیم کی تعبیر میں اس مسئلہ کی نزاکت کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ یہاں فرمایا ہے: فَاَزَلَّهُمَا اب آپ ''زلۃ'' کی لغوی تحقیق پر غور کیجیے۔ الزلة فی الاصل استرسال الرجل من غیر قصد : بلا ارادہ پاؤں کا پھسل جانا۔ دوسرے مقام پر قرآن نے بالکل اس حقیقت کو واضح الفاظ میں بیان فرما دیا: فَنَسِيَ وَ لَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا (طٰہٰ ۲۰ : ۱۱۵) یعنی آدم سے یہ حرکت بھول سے ہوئی اس کا عزم و ارادہ ہرگز نہ تھا۔ جب تک عزم و ارادہ مفقود ہو اس فعل کو گناہ نہیں کہا جا سکتا۔'' (۱۲)

ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے تذکرے میں اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ (۱۳) کے الفاظ بھی موجود ہیں۔ بعض لوگ امہات المومنین کو اہل بیت میں شامل نہیں کرتے۔ ایسے لوگ درحقیقت لفظ اھل کے استعمالات قرآنیہ اور حقیقی مفہوم سے قطعی لاعلم ہیں۔ حالانکہ قرآنی اصطلاح میں اھل کے لفظ کا اطلاق بیوی پر بھی ہوتا ہے۔ مفسر موصوف قرآنی دلائل پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ایک آیت تو آپ پہلے پڑھ چکے ہیں جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اہلیہ حضرت سارہ کا ذکر ہے۔ گھر میں کوئی بچہ ہے نہ بچی، صرف حضرت سارہ زوجہ خلیل علیہ السلام ہیں۔ ان کے بارے

میں ارشاد ہے: رَحْمَتُ اللّٰهِ وَ بَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ (ھود:۷۳) کوئی آدمی بھی یہ جرأت نہیں کرسکتا کہ یہاں اہل بیت کے لفظ سے حضرت سارہ کو نکال سکے۔ اسی طرح حضرت کلیم علیہ السلام مدین سے اپنی اہلیہ محترمہ اور اپنے بچوں کے ہمراہ مصر واپس جارہے ہیں۔ ان کا گزر وادی سینا سے ہوتا ہے۔ رات کی تاریکی ہے، جاڑے کا موسم ہے، ٹھنڈی ہوا چل رہی ہے۔ دور سے ایک آگ جلتی نظر آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس منظر کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے: فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَ سَارَ بِاَهْلِهٖٓ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا (۲۹:۲۸) یعنی جب موسیٰ علیہ السلام نے حضرت شعیب علیہ السلام کے ساتھ مقرر کی ہوئی مدت پوری کرلی اور اپنے اہل وعیال کے ساتھ روانہ ہوئے تو کوہِ طور کی ایک سمت میں انہوں نے آگ دیکھی اور اپنے اہل کو کہا کہ تم ذرا یہاں ٹھہرو میں نے آگ دیکھی ہے۔ یہاں بھی اہل سے بیوی اور بچے سب مراد ہیں۔

سورۂ طٰہٰ میں ہے: فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا (۱۰:۲۰) کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اس سفر میں آپ کی زوجہ آپ کے ہمراہ نہ تھیں۔ قرآن کریم کی ان متعدد آیات کے بعد بھی اگر کوئی شخص اہل بیت سے ازواج مطہرات کو خارج کرنے پر مصر ہو تو اس کی ہٹ دھرمی کی داد دینی چاہیے۔'' (۱۴)

ختم نبوت سے متعلقہ آیت کریمہ میں وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ (الاحزاب:۴۰:۳۳) میں خاتم کے بارے میں موصوف لکھتے ہیں:

''اہل لغت کی ان تصریحات سے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ خاتم کی تاء پر زیر ہو یا زبر اس کا معنی ''آخری'' ہے۔ اس معنی کی تائید کے لیے اہل لغت نے ایک دوسری آیت سے بھی استدلال کیا ہے۔ خِتٰمُهٗ مِسْكٌ (المطففین ۸۳:۲۶) ای آخرہ مسک یعنی اہل جنت کو جو مشروب پلایا جائے گا اس کے آخر میں انہیں کستوری کی خوشبو آئے گی۔'' (۱۵)

صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کی صفات کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ (۱۶)

''یہ ان کے اوصاف تورات میں (مذکور) ہیں، نیز ان کی صفات انجیل میں بھی (مرقوم) ہیں۔''

آیت ما نحن فیه میں لفظ مثل کا کیا معنی ہے؟ اہل لغت نے قرآن کی کئی آیات سے اس لفظ کا معنی

متعین کیا ہے۔ پیر محمد کرم شاہ الازھری لکھتے ہیں:

امام لغت جوہری مثل کے لفظ کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں: مثل الشیء أیضا صفته (صحاح) یعنی مثل کے دوسرے معانی کے علاوہ ایک یہ معنی بھی ہے کہ کسی چیز کی صفت کو حالت و مثل کہتے ہیں۔ قال ابن سیدة ومنه قوله تعالی: **مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ** (محمد ۴۷: ۱۵) وقال ابواسحاق معناه صفة الجنة (تاج العروس/لسان) ابن سیدہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں بھی مثل کا معنی صفت ہے۔ ابواسحاق سے بھی یہی معنی منقول ہے۔ (۱۷)

اہل جہنم کے بارے میں جو لفظ **احقابا** (۱۸) استعمال کیا گیا ہے، اس سے مراد غیر محدود مدت ہے۔ جن لوگوں نے محدود مدت مراد لی ہے ان کے بارے میں مفسر لکھتے ہیں:

لغت عرب کے ایک امام کی اس تشریح کے بعد کسی کج فہمی میں مبتلا ہونا سراسر نادانی ہے خصوصاً جب قرآن کریم میں چونتیس مقامات پر یہ تصریح کی گئی ہے کہ وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے اور بعض مقامات پر صرف خالدین پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ ابدا کا اضافہ بھی کر دیا گیا ہے۔ اس لیے قرآن کریم کی کسی آیت کا ایسا مفہوم بیان کرنا جو دوسری کثیر آیات کے خلاف ہو، کسی مومن کو زیب نہیں دیتا۔ (۱۹)

حدیث وسنت سے معنی ومفہوم کی تعیین

الفاظ کے کئی معانی میں سے مرادی معنی کی تعیین کے لیے بہت سے مقامات پر صاحب ضیاء القرآن نے حدیث وسنت سے مدد لی ہے اور حدیث نبوی سے ثابت ہونے والے معنی ومفہوم کو انہوں نے اکثر حرفِ آخر قرار دیا ہے۔ البتہ ایک مقام پر لکھتے ہیں:

''احادیث اگر صحیح بھی ہوں تو وہ قرآن کریم کے مفہوم کی ناسخ نہیں ہوسکتیں۔ نہ ان کی وجہ سے قرآن کریم کی نصوص میں تغیر وتبدل کیا جاسکتا ہے۔'' (۲۰)

حالانکہ بہت سی آیات قرآنیہ میں مفہوم کا پتہ ہی احادیث نبویہ سے چلتا ہے۔ بلکہ اگر کسی آیت کریمہ کا مفہوم حدیث نبوی سے متعین ہوجائے تو وہ پتھر پر لکیر ہے اور اس سے سرمو انحراف نہیں کیا جا سکتا۔ دریں صورت حدیث نبوی میں بیان کردہ مفہوم سے عدول حدیث نبوی کو قرآن کریم کا ''بیان'' نہ ماننے کے مترادف ہے۔ بحر کیف ذیل میں چند ایسی امثلہ پیش کی جاتی ہیں جن سے یہ عیاں ہوتا ہے کہ مفسر الازھری احادیث نبویہ سے آیات قرآنیہ کا مفہوم متعین کرتے ہیں:

سورۃ النساء ☆ میں آنے والے المحصنت (شادی شدہ عورتیں)، محصنین (پاک دامن مرد)، المحصنت (آزادعورتیں) اور محصنت (پاک دامن عورتیں) جیسے الفاظ مختلف معانی میں استعمال ہوئے ہیں۔موصوف مفسر آیت کریمہ فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَیْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَیْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَی الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ(۲۱) ''اور جب وہ نکاح کے ذریعے محفوظ ہوجائیں پھر اگر وہ بدکاری کا ارتکاب کریں تو ان پر اس سزا کا نصف ہے جو آزاد عورتوں کے لیے ہے'' کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''اس لیے موقع ومحل کی مناسبت سے اس لفظ کا معنی متعین کیا جائے گا خصوصاً معنی کا وہ تعین جو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ قطعی ہوگا اس میں ردوبدل کی گنجائش نہیں۔ یہاں محصنات کا معنی آزاد باکرہ لڑکیاں ہیں اور یہاں محصنات کا یہ معنی حضور کریم ﷺ کا متعین کردہ ہے کیونکہ سنت نبوی کے مطابق انہیں کی سزا سو درے ہے جس کا نصف پچاس درے مسلمان لونڈی کی سزا ہے۔''(۲۲)

عیسیٰ علیہ السلام ایک سوال کے جواب میں اللہ تعالیٰ سے مخاطب ہوکر عرض کریں گے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ كُنْتُ عَلَیْهِمْ شَهِیْدًا مَّا دُمْتُ فِیْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْهِمْ(۲۳)

''اور تھا میں ان پر گواہ جب تک میں رہا ان میں پھر جب تو نے مجھے اٹھایا تو تو ہی نگران تھا ان پر۔''

اس آیت کی تفسیر میں موصوف مفسر نے مختلف لغات اور تفاسیر کی مدد سے لفظ الوفاۃ کے کئی معانی ذکر کیے ہیں۔ بعدازآں لکھتے ہیں:

''اب جب یہ لفظ ان متعدد معانی میں مستعمل ہوتا ہے تو اس بات کا یقین کرنے کے لیے کہ کسی موقع پر ان متعدد معانی میں سے کون سا معنی مراد ہے دوسرے قرائن کو دیکھنا ہوگا اور اگر حدیث صحیح سے کوئی معنی متعین ہوجائے تو پھر دوسرے معانی کا احتمال ختم ہوجائے گا اور صرف وہی معنی لیا جائے گا جو حضور ﷺ نے مقرر فرما دیا ہے۔ کیونکہ کتاب کے بیان کا حق اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو تفویض فرمایا ہے اس کے بعد کسی قیل وقال کی گنجائش نہیں رہتی۔ جب احادیث نبویہ میں یہ صراحت موجود ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمان پر اٹھالیا گیا تو اب آیات قرآنی کو اپنے اغراض واہواء کا لباس پہنانا سراسر بے دینی اور بے باکی ہے۔''(۲۴)

مذکورہ بالا آیت کریمہ میں تَوَفَّیْتَنِیْ کا معنی وفات (موت) بھی لے لیا جائے تو عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جو عقیدہ اس وقت مسلمانوں کا ہے اس میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام یہ بات روز قیامت

کہیں گے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ یہاں سارا بیان ہی قیامت کا ہو رہا ہے اور اس کے واضح قرائن وشواہد موجود ہیں۔ مثلاً یہ سب کچھ بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ (۲۵)

فرمایا اللہ تعالیٰ نے یہ ہے وہ دن جس دن فائدہ پہنچائے گا سچوں کو ان کا سچ۔''

ظاہر ہے اعمال کا بدلہ آخرت میں ہی ملے گا۔

روز قیامت عیسیٰ علیہ السلام کا اپنی وفات ہوجانے کا ذکر کرنا ان احادیث کے منافی نہیں جن میں حیات مسیح کا بیان ہے کیونکہ نزول مسیح کے بعد مسیح علیہ السلام کی موت طبعی ہوگی جس کا کوئی مسلمان بھی منکر نہیں۔

آیت کریمہ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَ لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ☆ کی تفسیر میں خَاتَمَ کی لغوی بحثیں ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

> قرآن کریم کے الفاظ کا مفہوم سمجھنے میں عربی زبان کی لغات سے بھی بڑی مدد ملتی ہے لیکن اس سلسلے میں بھی قول فیصل اور حرف آخر حضور علیہ السلام کی بیان کردہ تشریح ہوتی ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کی تعلیم سے ارشاد فرماتے ہیں۔ آیئے اب احادیث نبویہ کا بغور مطالعہ کریں اور یہ معلوم کرنے کی کوشش کریں کہ حضور خاتم الانبیاء ﷺ نے خاتم النّبیین کے کلمات کا کیا مفہوم بیان فرمایا ہے۔

خاتم النّبیین کے معنی کی وضاحت کے لیے بے شمار صحیح احادیث کتب حدیث میں موجود ہیں۔ سب کے ذکر کی یہاں گنجائش نہیں فقط چند احادیث یہاں تحریر کی جاتی ہیں۔ اس کے بعد سات احادیث، جن میں فانا اللبنة وانا خاتم النبین۔ وختم بی النبیون۔ ان الرسالة والنبوة قد انقطعت ولا رسول بعدی ولا نبی۔ انا آخر الانبیاء وانتم آخر الامم۔ لو کان بعدی نبی۔ لانبی بعدی۔ انا خاتم النبین لانبی بعدی جیسے الفاظ آئے ہیں، نقل کرکے مفسر موصوف نے تبصرے کیے ہیں۔ پھر بعض مفسرین کے اس سلسلے میں اقوال نقل کیے ہیں کہ سنت مطہرہ سے آپ ﷺ کا آخری نبی ہونا ثابت ہے۔ علامہ ابن کثیر (متوفی ۷۷۴ھ) متعدد احادیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

> فقد اخبر الله تعالى فى كتابه ورسوله ﷺ فى السنة المتواترة عنه انه لانبى بعده.....

علامہ سید محمود آلوسی (م:۱۲۷۰ھ) روح المعانی میں لکھتے ہیں:

> وكونه ﷺ خاتم النبيين مما نطق به الكتاب وصرحت به السنة.....(۲۶)

یوم التغابن ☆ کا مفہوم بھی مفسر موصوف نے احادیث سے متعین کیا ہے:

''بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ باب تفاعل ہے، اس میں دو یا دو سے زائد آدمیوں کی شرکت ضروری ہے اس لیے انہوں نے یوم التغابن کی تشریح یوں کی ہے کہ اہل جنت جب جنت میں داخل ہوں گے تو انہیں اپنے محلات کے علاوہ ان لوگوں کے محلات بھی مرحمت فرما دیے جائیں گے جنہوں نے غلط روی کے باعث اپنے آپ کو جہنم کا سزاوار بنایا اور جہنمی جب دوزخ میں پھینکے جائیں گے تو انہیں اپنے ٹھکانوں کے علاوہ ان لوگوں کے ٹھکانے بھی دیے جائیں گے جو راہِ راست پر گامزن ہونے کے باعث دوزخ کے عذاب سے نجات پا گئے گویا اس روز دوزخی اور جنتی آپس میں لین دین کریں گے۔ اہل جنت اپنے دوزخ کے ٹھکانے جہنمیوں کو دے دیں گے اور ان کے عوض جنت میں دوزخیوں کے لیے جو ایوان آراستہ کیے گئے تھے وہ انہیں مل جائیں گے۔ اس روز دوزخی بآسانی یہ فیصلہ کرسکیں گے کہ زندگی کے میدان میں کون جیتا اور کون ہارا۔ اس کاروبار میں انہوں نے کیا کھویا اور کیا پایا۔ بخاری شریف کی روایت سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

ما من عبد یدخل الجنة الا اری مقعده من النار لواساء لیزداد شکرا وما من عبد یدخل النار الا اری مقعده من الجنة لو احسن لیزداد حسرة۔ یعنی ہر جنتی جب جنت میں داخل ہوگا تو اسے جہنم میں اس کی وہ جگہ دکھائی جائے گی جو اگر وہ بدکار ہوتا تو اس کو ملتی۔ یہ اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا مزید شکر ادا کرے اور دوزخی کو جنت میں اس کی وہ جگہ دکھائی جائے گی جو اگر وہ نیک ہوتا تو اس کو ملتی تا کہ اس کی حسرت میں مزید اضافہ ہو۔'' (۲۷)

اس کے علاوہ تغابن کے مفہوم کی ادائیگی کے لیے انہوں نے صحیح مسلم و ترمذی اور بخاری شریف سے دو احادیث پیش کی ہیں۔ (۲۸)

وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا ☆ کی تفسیر میں ترتیل کا لغوی معنی بتانے کے بعد لکھتے ہیں:

''اسی مناسبت سے ترتیل قرآن کا معنی ہوگا کہ اس کو آہستہ آہستہ سوچ سمجھ کر پڑھا جائے اور اس کی تلاوت میں تیزی نہ کی جائے۔ اس آیت کی جامع اور دل نشین تفسیر حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے۔ آپ سے اس آیت کا مفہوم پوچھا گیا تو ارشاد فرمایا: بینه نبینا و لا تنثره نثر الدقل و لا تهزه هز الشعر۔ قفوا عند عجائبه و حرکوا به القلوب و لایکن همّ احدکم اخر

السورۃ۔ (روح المعانی) آپ نے فرمایا کہ ''اس آیت کا معنی ہمارے نبی کریم نے ہمیں بتایا کہ جس طرح تم جلدی جلدی ردی کھجوریں بکھیرتے چلے جاتے ہو اور بال کاٹتے چلے جاتے ہو، ایسا نہ کرو۔ جب کوئی نادر نکتہ آئے تو ٹھہر جاؤ، اپنے دل کو اس کی اثر انگیزی سے متحرک کرو۔ تمہیں اس سورت کو جلدی جلدی ختم کرنے کا فکر نہ ہو۔'' (۲۹)

اھل البیت میں امہات المومنین رضی اللہ عنہن سب سے پہلے شامل ہیں۔ اس بات کا حدیث نبوی سے استدلال کرتے ہوئے مفسر موصوف لکھتے ہیں:

''حدیث شریف میں ہے: ان النبی ﷺ اعطی الآھل حظین والعزب حظا۔ الآھل الذی له زوجة وعیال۔ حضور علیہ السلام نے آھل کو مال غنیمت میں دو حصے دیے اور اکیلے آدمی کو ایک حصہ دیا۔ آھل کا معنی بتایا گیا ہے کہ جس کی بیوی بھی ہو اور بچے بھی ہوں۔'' (۳۰)

اس قسم کی بیسیوں مثالیں تفسیر ضیا القرآن میں موجود ہیں کہ وہ حدیث نبوی سے بھی قرآنی لفظ کے معنی و مفہوم کا تعین کرتے ہیں۔

سیاق وسباق سے معنی کی تعیین

تفسیر ضیاء القرآن میں بعض مقامات پر سیاق وسباق سے بھی معنی کے تعین کی صراحت کی گئی ہے اور اس کی اہمیت کو اجاگر کیا گیا ہے۔ چند مثالیں درج ذیل ہیں:

مفسر سیاق وسباق کی مدد سے لفظ متوفی کا حقیقی معنی مراد لیتے ہیں۔ لغت میں توفی کا معنی کسی چیز کو پورے کا پورا لے لینا اور اس میں سے کچھ بھی باقی نہ چھوڑنا ہوتا ہے۔ آیت کریمہ اِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسٰۤى اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ (۳۱) میں لفظ الوفاۃ مراد لینے کا ایک قوی قرینہ سیاق وسباق بھی ہے۔ لکھتے ہیں:

''ایک تو سیاق وسباق اس امر کا قوی قرینہ ہے۔ یہاں گفتگو نجران کے عیسائیوں سے ہو رہی ہے جو حضرت مسیح کی الوہیت کے قائل تھے۔ مقصد کلام ہے اثباتِ توحید باری اور بطلان الوہیت مسیح۔ اگر عیسیٰ علیہ السلام مر چکے ہوتے تو کتنی صاف بات تھی کہ نجران کے عیسائیوں سے کہہ دیا جاتا کہ جن کو تم خدا مانتے ہو وہ تو مر چکے ہیں اور جو مر جائے کیا وہ بھی کہیں خدا بن سکتا ہے۔ لیکن قرآن کا اس اسلوب کو اختیار نہ کرنا بلکہ اس انداز کو اپنانا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ قرآن کی اس آیت کا مدعیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت کو بیان کرنا نہیں۔'' (۳۲)

قرآن مجید میں محصنین اور محصنات کے الفاظ کا کئی بار تکرار ہوا ہے۔ (۳۳) کسی جگہ ان کا معنی

شادی شدہ کہیں پاکباز اور کہیں آزاد ہے۔

ایک ہی لفظ کے معانی قدم قدم پر بدلتے ہیں اس کے بارے میں مفسر موصوف لکھتے ہیں:

اس لیے موقع ومحل کی مناسبت سے اس لفظ کا معنی متعین کیا جائے گا۔(۳۴)

آیت کریمہ فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ فِیْ صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا(۳۵) ''پس آئی آپ کی بیوی چیں بجبیں ہوکر اور (فرط حیرت سے) طمانچہ دے مارا اپنے چہرہ پر''۔ میں آنے والے لفظ ''صَرَّةٍ'' کا معنی بعض اہل لغت کے مطابق ''زور سے چیخنا'' ''جماعت'' اور ''اظہار ناپسندیدگی کے لیے چہرے پر بل ڈالنا'' لکھا ہے۔مفسر نے آخری معنی کو اختیار کیا ہے۔لکھتے ہیں:

''چونکہ وہی مناسب حال ہے اس لیے میں نے اسی کو پسند کیا ہے اور اسی کے مطابق ترجمہ کیا ہے۔''(۳۶)

اس معنی یعنی تصکیت الوجه من الکراهة کی عقلی توجیہ انہوں نے یہ کی ہے:

''جب انسان از حد متحیر ہوتا ہے اس کی پیشانی پر بل پڑ جانا اور اس کا چیں بجبین ہونا ایک قدرتی امر ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم۔''(۳۷)

نزول قرآن کے وقت کے معانی الالفاظ کی تعیین

صاحب تفسیر ضیاء القرآن نے بہت سے مقامات پر فہم عرب کے مطابق الفاظ کے معانی مراد لینے کی صراحت کی ہے۔چند مثالیں درج ذیل ہیں:

ارشاد باری تعالیٰ ہے: اَوْ یَاْخُذَهُمْ عَلٰی تَخَوُّفٍ

''یا پکڑے انہیں جبکہ وہ خوف زدہ ہو چکے ہوں''(۳۸)

تخوف کا ایک معنی تو وہی ہے جو ترجمے میں اختیار کیا گیا ہے جبکہ دوسرا معنی تنقص ہے جس کا معنی ہے آہستہ آہستہ کم کرنا۔ایک روایت کے ذریعے مفسر نے اس معنی کو واضح کیا ہے، لکھتے ہیں:

''حضرت سعید بن مسیّب سے مروی ہے کہ ایک روز حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ منبر پر تشریف فرما تھے۔آپ نے پوچھا اے لوگو! اَوْ یَاْخُذَهُمْ عَلٰی تَخَوُّفٍ کا کیا مطلب ہے؟ سب خاموش ہوگئے۔ بنی ہذیل کا ایک بوڑھا اٹھا اور اس نے عرض کی اے امیر المؤمنین! یہ ہماری لغت ہے یہاں التخوف کا معنی التنقص ہے یعنی آہستہ آہستہ کسی چیز کا گھٹتے چلے جانا۔آپ نے پوچھا کیا یہ لفظ اس معنی میں عرب کے شعراء نے بھی استعمال کیا ہے۔ وہ بولا جی ہاں ہمارا شاعر ابوکبیر ہذلی

اپنی اونٹنی کے متعلق کہتا ہے جس کی اونچی کوہان کو سفر کی طوالت نے لاغر کر دیا تھا:

تخوف الرحل تامكا قردا كما تخوف عود النبعة السفن

کہ کجاوے نے میری اونٹنی کی موٹی تازہ اونچی کوہان کو گھسا کر کم کر دیا ہے۔ جس طرح نبعہ درخت کی لکڑی کو گھسانے والا آلہ گھسا کر چھوٹا کر دیتا ہے۔'' (۳۹)

آیت کریمہ وَ لَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ (۴۰) ''اور (تکبر کرتے ہوئے) نہ پھیر لے اپنے رخسار کو لوگوں کی طرف سے'' میں آنے والے لفظ تصعر کی وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''علامہ ابن منظور لکھتے ہیں کہ صعر اونٹوں کی ایک بیماری کا نام ہے۔ جب یہ لگتی ہے تو اونٹ کی گردن ٹیڑھی ہوجاتی ہے۔ الصَّعْرُدَاءُ يَاخُذُ الْبَعِيْرَ فَيَلْوِىْ مِنْهُ عُنُقَهُ وَيَمِيْلُهُ۔ اسی مناسبت سے جب کوئی شخص ازراہِ غرور و نخوت اپنا منہ لوگوں کی طرف سے موڑ لیتا ہے تو عرب کہتے ہیں قَدْ صَعَّرَ خده وصَاعَرَهُ : اَمَالَهُ مِنَ الْكِبْرِ۔ اس مفہوم کی تائید کے لیے انہوں نے جریر کا یہ شعر نقل کیا ہے:

وكنا اذا الجبار صعر خده اقمناله من ميله فتقوما

یعنی جب کوئی جابر شخص ازراہِ تکبر اپنے رخسار پھیر لیتا ہے تو ہم بزور شمشیر اس کی کجی کو دور کر دیتے ہیں اور وہ درست ہوجاتا ہے۔ (۴۱)

مخاطب کرنے میں عادۃ العرب کا ذکر یٰٓاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ (اے چادر لپیٹنے والے) کے خطاب کی روشنی میں کرتے ہیں لکھتے ہیں:

''عرب میں یہ دستور ہے کہ جب کسی کے ساتھ لطف و محبت کا اظہار کرنا ہو تو جس حالت میں وہ ہو، اسی سے اسم مشتق کر کے اس کو خطاب کرتے ہیں۔ حضرت حذیفہ ایک دفعہ سو رہے تھے۔ اسی اثناء میں سوئے ہوئے بختوں کو جگانے والا تشریف لے آیا اور فرمایا قم يا نومان۔ اے سونے والے، جاگ! ایک بار حضرت سیّدنا علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ، حضرت سیدۃ النساء بتول زہراء علی ابیھا وعلیھا اطیب التحیات سے کسی بات پر رنجیدہ ہوکر مسجد کے فرش پر آ کر لیٹ گئے۔ حضور ﷺ آپ کو تلاش کرنے کے لیے تشریف لائے تو فرمایا: قم يا ابا تراب۔ اے مٹی کے باپ اٹھو! حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو آقا نے ایک مرتبہ ابو ہریرہ (بلی کا باپ☆) فرما دیا۔ وہ اسی خطاب سے مشہور ہوگئے اور جو نام ماں باپ نے تجویز کیا تھا وہ متروک ہوگیا۔ علامہ آلوسی لکھتے ہیں: ندائه عليه السلام تانيس له وملاطفة على عادة العرب.....كل ما يفعل المحبوب

محبوب۔ اہل عرب کے دستور کے مطابق ازراہ انس ولطف یوں خطاب فرمایا..... درحقیقت محبوب کی ہر ادا محبوب ہوا کرتی ہے۔'' (۴۲)

اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ (۴۳) ''غافل رکھا تمہیں زیادہ سے زیادہ مال جمع کرنے کی ہوس نے یہاں تک کہ تم قبروں میں جا پہنچے'' میں زرتم کی تفسیر میں مفسر موصوف لکھتے ہیں:

''جو شخص مرجائے اہل عرب کہتے ہیں: قد زار قبرہ۔ گویا زیارت قبر کا لفظ قبر میں دفن ہونے کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔'' (۴۴)

اسی قسم کی اور بھی کئی مثالیں موجود ہیں۔ (۴۵)

حقیقی ومجازی معنی کی تعیین

حقیقی اور مجازی معنی کے فرق کی صراحت صاحب تفسیر ضیاء القرآن نے اکاد کا مقامات پر کی ہے۔ دو مثالیں درج ذیل ہیں:

عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ''وفاۃ'' سے بعض لوگوں نے عیسیٰ علیہ السلام کی ''موت'' مراد لی ہے۔ حالانکہ ''توفی'' کا حقیقی معنی مارنا نہیں بلکہ کسی چیز کو پوری طرح اپنے قبضے میں لے لینا ہے۔ موصوف مفسر نے اس کو مختلف ماہرین لغت کے اقوال سے ثابت کیا ہے۔ (۴۶)

وفاۃ کا لفظ موت کے معنی میں مجازی ہے۔ مفسر مرحوم لکھتے ہیں:

''ہاں یہ موت کے معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے لیکن یہ اس کا مجازی معنی ہے جیسے صاحب تاج العروس نے لکھا ہے:

ومن المجاز ادرکته الوفاة ای الموت والمنية وتوفی فلان اذ مات توفاه الله عزوجل اذا قبض روحه۔ اب آپ خود فیصلہ فرمالیں کہ ایک لفظ کا حقیقی معنی ترک کر کے بغیر قرینہ کے اس سے مجازی معنی اخذ کرنے پر اصرار کرنا اس لفظ کے ساتھ کتنی بے جا زیادتی ہے اور یہاں صرف اتنا ہی نہیں کہ مجازی معنی لینے کا کوئی قرینہ موجود نہیں بلکہ ایسے قوی قرائن موجود ہیں جو اس لفظ کے حقیقی معنی لیے جانے پر دلالت کرتے ہیں۔'' (۴۷)

آیت کریمہ اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ (۴۸) میں مجازی معنی کیوں مراد نہیں لیا جائے گا، مفسر مرحوم لکھتے ہیں:

''ایک تو اس آیت کا سیاق وسباق اس امر کا قوی قرینہ ہے۔ یہاں گفتگو نجران کے عیسائیوں سے ہورہی ہے جو حضرت مسیح کی الوہیت کے قائل تھے۔ مقصد کلام ہے اثبات توحید باری اور بطلان الوہیت مسیح۔ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام مرچکے ہوتے تو کتنی صاف بات تھی کہ نجران کے عیسائیوں

سے کہہ دیا جاتا کہ جن کو تم خدا مانتے ہو وہ تو مر چکے ہیں اور جو مر جائے کیا وہ بھی کہیں خدا بن سکتا ہے۔لیکن قرآن کا اس اسلوب کو اختیار نہ کرنا بلکہ اس انداز کو اپنانا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ قرآن کی اس آیت کا مدعی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت کو بیان کرنا نہیں۔'' (۴۹)

ان تصریحات کی موجودگی میں حقیقی معنی چھوڑ کر مجازی معنی مراد نہیں ہوسکتا۔(۵۰)

البتہ و کلمتہ (۵۱) جو عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں آیا ہے تو اس کا اطلاق حقیقی معنی میں نہیں بلکہ مجازاً ہے۔(۵۲)

مشہور و ظاہر معنی کو ترجیح

ظاہری اور معروف و مشہور معنی کے اختیار کی کئی مثالیں اس تفسیر میں موجود ہیں چند مثالیں مندرجہ ذیل ہیں:

اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ (۵۳) میں دلوك کا معنی ''ڈھلنا'' لیا گیا ہے۔مفسر لکھتے ہیں:

''دلوك'' کا معنی اگرچہ غروب آفتاب بھی کیا گیا ہے لیکن یہاں اس کا معنی ''زوال'' ہے۔اکثر صحابہ و تابعین کا یہی قول ہے۔ فی القاموس: دلکت الشمس دلوکا غربت او اصعر او زالت عن کبد السماء والحمل علی الزوال اولی۔''(۵۴)

خاتم کا معنی مہر یا مہر لگانے والا بھی ہوتا ہے مگر اس کا مشہور اور ظاہر معنی آخری ہے اسی کو مفسر نے اختیار کیا ہے۔(۵۵)

نسیان کا معنی بھلانا اور ترک کرنا ہے۔''بھلانا'' اس کا مشہور اور متبادر الی الذھن معنی ہے۔مگر آیت کریمہ **اِنَّا نَسِیْنٰکُمْ** ☆ ''ہم نے تم کو نظر انداز کر دیا'' میں نسیان کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے جو کہ شان الٰہی کے منافی ہے اس لیے مشہور معنی چھوڑ کر مفسر نے دوسرا معنی اختیار کیا ہے۔(۵۶)

لفظ کا شرعی معنی و مفہوم

شرعی اور لغوی معنی کے فرق کی وضاحت بھی بعض مقامات پر مفسر ازہری نے کی ہے۔

وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِکَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ (۵۷) کی تفسیر میں سجدہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

''سجدہ کا لغوی معنی ہے تذلل اور خضوع اور شریعت میں اس کا معنی ہے: وضع الجبھۃ الارض ''پیشانی کا زمین پر رکھنا''۔

..... یہاں سجدہ کا لغوی معنی مراد ہے کہ فرشتوں کو ادب و احترام کرنے کا حکم دیا گیا لیکن جمہور علماء کے نزدیک شرعی معنی مراد ہے۔'' (۵۸)

مذکورہ بالا مباحث سے یہ بات اظہر من الشمس ہوئی ہے کہ لفظ کے معنی کی تعیین میں جن اصولوں کو مدنظر رکھنا ضروری ہے ان کو ان پیر محمد کرم شاہ الازہری نے ملحوظ خاطر رکھا ہے۔

الفاظِ قرآنی سے باطل استدلال کا رد اور عقلی توجیہات

وہ عقل جو وحی کے مقابلے میں یا دلائل کتاب وسنت کے خلاف ہو وہ کبھی بھی وحی کا بدل(۵۹) نہیں ہوسکتی۔نصوص قرآن و حدیث کونظرانداز کر کے جن لوگوں نے التفسیر العقلی کی ہے انہوں نے غلط رجحان اختیار کیا ہے۔ البتہ تمام احکام شریعت اور روح شریعت کو مدنظر رکھ کر جن مفسرین نے عقلی تفسیر کی ہے وہ قابل قدر ہے۔ اتجاہ التفسیر العقلی کی تصحیح بھی اس کے مطابق کی جاسکتی ہے۔ کیونکہ بعض اوقات عقل سے تعیینِ معنی کی احتیاج محسوس ہوتی ہے حتی کہ یہ ضرورت معانی الالفاظ کی تخصیص میں بھی پیش آتی ہے۔

حضرت سارہ زوجۂ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے عمل فَصَكَّتْ وَجْهَهَا(۶۰) ''پس طمانچہ دے مارا اپنے چہرہ پر'' کی تفسیر میں غلط استدلال کی عقلی تردید کرتے ہوئے پیر محمد کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں:

> ''بعض نادان لوگ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا کے لفظ سے ماتم کرنے اور پیٹنے کے جواز پر استدلال کرتے ہیں اور اسے حضرت سارہ کی سنت کہتے ہیں۔ وہ خود ہی فرمائیں کہ کیا انہیں حضرت امام رضی اللہ عنہ کی شہادت سے ایسی ہی حیرت اور مسرت ہوئی ہے جس طرح حضرت سارہ کو فرزند کی بشارت سے ہوئی تھی۔ اگر ایسا ہی ہے تو انہیں زور زور سے منہ پر طمانچے مارنے چاہییں۔ خاندان نبوت کی پامالی پر وہ جتنا حیرت اور جس طرح مسرت کا اظہار کریں انہیں اس کا حق پہنچتا ہے، کیونکہ ان لوگوں نے امام پاک کو دھوکا سے کوفہ بلایا اور پھر ابن زیاد کے ساتھ مل کر گلستان نبوت کو تاخت وتاراج کیا۔ اگر ایسے نا مبارک منصوبے کی کامیابی پر وہ خوش نہ ہوں گے تو اور کون خوش ہوگا، لیکن وہ ایمان دار جن کے دل سانحہ کربلا سے ٹکڑے ٹکڑے ہیں، جن کی آنکھیں اس حادثۂ فاجعہ سے اشک بار رہتی ہیں وہ کس طرح خوشی کا اظہار کر سکتے ہیں۔ خوشی اور حیرت کے موقع پر کسی عورت کا اپنے منہ پر یوں طمانچہ لگانا اور ہے اور کسی کے غم میں اپنا منہ اور سینہ لہولہان کرنا اور ہے۔'' (۶۱)

خلاصہ بحث

مذکورہ بالا مباحث سے یہ بات واضح ہوئی کہ پیر محمد کرم شاہ الازہری نے قرآنی الفاظ کے معانی کی تعیین میں درجِ ذیل آٹھ امور کو پیشِ نظر رکھا ہے:

۱۔ قرآن سے لفظ کے معنی ومفہوم کا تعین

۲۔ حدیث وسنت سے معنی ومفہوم کی تعیین
۳۔ سیاق وسباق سے معنی کی تعیین
۴۔ نزول قرآن کے وقت کے معانی الالفاظ کی تعیین
۵۔ حقیقی ومجازی معنی کی تعیین
۶۔ مشہور وظاہر معنی کو ترجیح
۷۔ لفظ کا شرعی معنی ومفہوم
۸۔ الفاظِ قرآنی سے باطل استدلال کا رد اور عقلی توجیہات

حوالہ جات وحواشی

(۱) پیر محمد کرم شاہ الازھری، تفسیر ضیاء القرآن، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور۱/ ۱۱۱-۱۱۲
(۲) ال عمران۳:۵۴
(۳) ضیاء القرآن:۱/۲۳۴
(۴) ایضاً:۱/ ۲۳۵
(۵) ال عمران۳: ۵۵
(۶) ضیاء القرآن:۱/ ۲۳۵-۲۳۶
(۷) ایضاً:۱/ ۲۳۶
(۸) ایضاً
(۹) النساء۴:۱۷۱
(۱۰) ضیاء القرآن:۱/ ۴۲۵-۴۲۶
(۱۱) البقرۃ۲:۳۶
(۱۲) ضیاء القرآن:۱/ ۴۹
(۱۳) الاحزاب۳۳:۳۳
(۱۴) ضیاء القرآن:۴/ ۵۵، نیز دیکھیے۲/ ۳۷۹
(۱۵) ایضاً ۴/ ۶۹
(۱۶) الفتح۴۸:۲۹
(۱۷) ضیاء القرآن:۴/ ۵۷۰
(۱۸) النبأ ۷۸:۲۳
(۱۹) ضیاء القرآن: ۵/۴۷۲
(۲۰) ایضاً ۴/ ۵۵ بذیل سورۃ النساء: آیات۲۴-۲۵
(۲۱) النساء۴:۲۵
(۲۲) ضیاء القرآن:۱/ ۳۳۶
(۲۳) المائدۃ۵:۱۱۷
(۲۴) ضیاء القرآن:۱/ ۵۲۶

(۲۵) المائدۃ ۵:۱۱۹ بذیل سورۃ الاحزاب:۳۳:۴۰

(۲۶) دیکھیے ضیاء القرآن:۴/۷۰۔۷۲ بذیل سورۃ التغابن۶۴:۹

(۲۷) ضیاء القرآن:۵/۲۶۳۔۲۶۴

(۲۸) دیکھیے ایضاً ۵/۲۶۴ بذیل سورۃ المزمل۷۳:۴

(۲۹) ضیاء القرآن:۵/۴۰۲

(۳۰) ایضاً ۴/۵۵

(۳۱) ال عمران۳:۵۵

(۳۲) ضیاء القرآن:۱/۲۳۶

(۳۳) مثلاً دیکھیے النساء۴:۲۴۔۲۵

(۳۴) ضیاء القرآن:۱/۳۳۶

(۳۵) الذاریات ۵۱:۲۹

(۳۶) ضیاء القرآن:۴/۶۳۳

(۳۷) ایضاً

(۳۸) النحل ۱۶:۴۷

(۳۹) ضیاء القرآن:۲/۵۷۳

(۴۰) لقمان ۳۱:۱۸

(۴۱) ضیاء القرآن:۳/۶۱۰

☆ ابو ہریرہ کا معنی ''بلی کے بچے والا'' ہے۔ بلی کے بچوں کی دیکھ بھال کے سبب سے اس کنیت سے مشہور ہوئے۔ کنیت اگر اولاد کے نام پر نہ ہو تو ابو کا معنی ''والا'' ہوتا ہے اور صرف نسبت کے لیے آتا ہے جیسے ابو تراب (مٹی والا)، ابو الاعلی (اعلیٰ والا) وغیرہ۔

(۴۲) ضیاء القرآن:۵/۴۰۱

(۴۳) التکاثر ۱۰۲:۱۔۲

(۴۴) ضیاء القرآن:۵/۶۴۸

(۴۵) دیکھیے ایضاً ۱/۸۸، ۴۲۸، ۲/۹، ۱۳/۳۵۹، ۵۶۰، ۴/۵۲، ۹۵، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۵/۶۸۵، ۶۸۶

(۴۶) دیکھیے ضیاء القرآن:۱/۵۲۵۔۵۲۶

(۴۷) ضیاء القرآن:۱/۲۳۵

(۴۸) ال عمران۳:۵۵

(۴۹) ضیاء القرآن:۱/۲۳۶

(۵۰) ایضاً

(۵۱) النساء۴:۱۷۱

(۵۲) ضیاء القرآن:۱/۴۲۴

(۵۳) الاسراء۱۷:۷۸

(۵۴) ضیاء القرآن:۲/۶۷۷

(۵۵) دیکھیے ایضاً ۴/۶۸-۷۰ بذیل سورۃ السجدۃ ۳۲:۱۴

(۵۶) دیکھیے ایضاً ۳/۶۳۴

(۵۷) البقرۃ ۲:۳۴

(۵۸) ضیاء القرآن:۱/۴۷-۴۸

(۵۹) جامعہ ام القریٰ (مکہ مکرمہ) کے پروفیسر عبدالرحمن حسن حبنکۃ المیدانی مقدمات حول اعتماد العقل والعلم الانسانی بدیلا للدین کے تذکرے میں العقلانیۃ کے عنوان کے تحت رقم طراز ہیں: وکشفت ھذہ التجربۃ عدم کفایۃ العقل وحدہ للحکم علی کل شیء (عبدالرحمٰن حسن حبنکہ میدانی: کواشف زیوف فی المذاھب الفکریۃ المعاصرۃ ص: ۱۶۰، ط: ۱، ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۵ء، دارالقلم، دمشق)۔ ''اکیلی عقل کے ہر چیز پر حکم لگانے کے لیے ناکافی ہونے کو یہ تجربہ عیاں کرتا ہے۔'' اس عقلی رجحان کو موصوف ضد الاتجاہ الدینی (دینی رجحان کے متضاد) قرار دیتے ہیں۔ (ایضاً ص:۱۵۹)

(۶۰) الذٰریٰت ۵۱:۲۹

(۶۱) ضیاء القرآن:۴/۶۳۳

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆